ہماری چھوٹی موٹی باتوں میں وقت ضائع نہ کرتا، اپنے انگ میں لیٹا ادبی رسالے پڑھتا رہتا تھا۔ بتایا کرتا کہ پرانے زمانے میں ہمارے کیسے کیسے نامور ادیب اور دانش ور لندن کے شہر میں آئے اور وہاں رہ کر انھوں نے کیسے کیسے خیال افروز افسانے اور مضمون لکھے۔ اس کی آنکھوں میں بس وہی دنیا بسی ہوئی تھی۔ کہا کرتا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ لندن پہنچ جائے گا۔ وہ دنیا ہماری نہ تھی، مگر پھر بھی ہم اس کی باتیں سن کر اپنا دکھ بھول جاتے تھے۔ نوجوانی کی عمر میں کشش ہی ایسی ہوتی ہے۔ جس ثاقب کو آج میں نے دیکھا تھا وہ ثاقب نہ تھا جو ہمارے مشکل دنوں کا ساتھی رہا تھا۔ ایک سوال بار بار میرے دل آر ہا تھا، ثاقب نے کیا قصور کیا تھا؟ یہ سوچ سوچ کر میرا دل بند ہونے لگا تھا۔ آخر تنگ آکر میں نے سوچا۔ اللہ کے بندے، دل مضبوط کر، جی ہلکا کرنے سے کس کی زندگی گزری ہے۔ اس خیال سے میرے دل کو کچھ تسلی ہوئی۔ میں نے سوچا یہ کیسا بیکار سوال ہے جو مجھے پریشان کر رہا ہے۔ جس سوال کا کوئی جواب ہی نہ ہو۔ اس سوال کا کیا فائدہ؟ اس وقت میں نے دل میں ارادہ کر لیا کہ اب کبھی اس طرف کا رخ نہیں کروں گا، ثاقب اب گیا، اب وہ ثاقب نہیں رہا، یہ کوئی اور ہی شخص ہے جس کا نہ کوئی نام ہے اور نہ نشان ہے۔ اب اس کو بھول جاؤ۔

کہتے ہیں کہ کہنے میں اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ یہ بات درست ہے۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ بھول جاؤں، مگر ثاقب کی شکل دل سے نہ اتری۔ اس کا بھاری چہرہ، ٹھہری ہوئی آنکھیں، بے حرکت وجود میری آنکھوں کے سامنے رہا۔ آخر چھ مہینے کے بعد میں نے دوبارہ ملاقات کی درخواست روانہ کر دی۔ درخواست منظور ہو کر آ گئی۔ میں ملاقات کرنے کے لیے گیا اور مل کر واپس آ گیا۔ اب یہ میرا معمول ہو گیا ہے۔

سال میں ایک دو بار جاکر ثاقب سے ملاقات کر آتا ہوں۔ ایک سے دوسری ملاقات میں کوئی فرق نہیں ہوتا، ثاقب کی حالت وہی ہے میں بھی اب کوئی لمبی چوڑی توقع لے کر نہیں جاتا۔ ثاقب جو باتیں کرتا ہے اس کے ساتھ وہی باتیں کرتا رہتا ہوں۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ آخر کیوں میں بار بار اس سے ملنے کے لیے جاتا ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی۔ مگر یہ ایک عجیب و غریب بات ہے۔ جب میں اس سے ملتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ آدمی مرچکا ہے۔ اس کی زندگی ختم ہوگئی ہے، اس کا احساس رک گیا ہے۔ اب اس میں اور ایک پتھر میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اس کا مجھ سے کوئی سروکار نہیں۔ مگر جیسے ہی میں اس سے رخصت ہو کر آتا ہوں اور وہ میری نظروں سے اوجھل ہوتا ہے تو ایک بالکل مختلف صورت میں ظاہر ہوجاتا ہے۔ اس کا چہرہ اور اس کا وجود ایک بیتے جاگتے ہوئے آدمی کی شکل میں میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور کبھی غائب نہیں ہوتا۔ ہر بار میری یہی کیفیت ہوتی ہے۔ اس کی اس شباہت میں ایسی جان ہے کہ ہر وقت مجھے اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ اس بات کی مجھے سمجھ نہیں آتی شاید اس لیے میں بار بار اس سے ملنے کے لیے جاتا ہوں۔

ہوسکتا ہے کہ اس بات کا راز اس واقعے میں پوشیدہ ہو جو پچھلے سال میری نے مجھ سے بیان کیا تھا۔ میری کے ساتھ دوبارہ ملاقات بھی ایک عجیب اتفاق کی بات تھی۔ کس کے خیال میں تھا کہ زندگی میں ایک بار پھر میری سے سامنا ہوگا اور سامنا بھی ایسا کہ بس راستہ چلتے چلتے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے سالوں سال اپنے عزیزوں سے ملاقات نہیں ہو پاتی، اور کبھی کسی نا واقف مقام پر کوئی بھولا بسرا ہوا آدمی اچانک مل جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں زندگی کا نہ کوئی نقشہ ہے نہ نمونہ، بس چھوٹے بڑے اتفاقات کا ایک جال ہے جو ایک

ایک گرہ کر کے پھیلتا جاتا ہے۔ اپنے وطن سے ہمارا کوچ ہو یا میری سے دوبارہ ملاقات۔ سب اتفاق کی بات ہے۔ سینکڑوں لوگوں کے مجمعے میں میری کا چہرہ دکھائی دے جانا ایسا ہی حیران کن اتفاق تھا۔ مشرقی لندن کے علاقے میں اتوار کو ایک مارکیٹ لگتی ہے جہاں نئی اور پرانی اشیا بہت سستی دستیاب ہوتی ہیں۔ کئی ہفتوں سے ارادہ کر رہا تھا کہ وہاں کا چکر لگاؤں شاید کوئی اچھی چیز ہاتھ لگ جائے۔ یہاں کئی مختلف جگہوں پر ایسی مارکیٹیں لگتی ہیں۔ میں چھٹی کے دن ان مارکیٹوں میں جاتا رہتا ہوں۔ کچھ پسند آیا تو خرید لیا، ورنہ چیزیں دیکھ کر واپس آگیا۔ ایک اتوار کو کار میں بیٹھ کر اس مارکیٹ کو چل پڑا۔ بہار کا موسم تھا۔ سردیوں میں جب یہاں برف پڑتی ہے تو چاروں طرف ایک عجیب سا سناٹا طاری ہو جاتا ہے، جیسے زمین کی سانس رک گئی ہو اور وہ ایک لمبی چوڑی لاش کی طرح برف کے کفن کے نیچے بے حس و حرکت پڑی ہوئی ہو۔ کئی کئی ہفتے گزر جاتے ہیں کوئی سبزہ نہیں اُگتا، کوئی پتا دکھائی نہیں دیتا، معلوم ہوتا ہے اس سرزمین سے کبھی حرارت نہیں نکلے گی اور نہ خوراک کا دانہ پیدا ہو گا۔ جس طرف نظر ڈالو ایک ہی رنگ دکھائی دیتا ہے، سفید اور گدلا سفید۔ مگر جب مارچ اور اپریل اور مئی کا موسم آتا ہے تو سارا نقشہ بدل جاتا ہے۔ زمین سے بھاپ اٹھنے لگتی ہے اور آسمان نکھر آتا ہے اور بہار کے موسم میں تو ہوا کا بھی اپنا ایک رنگ ہوتا ہے، لمبی لمبی پینگوں والا رنگ۔ یہ رنگ صرف آنکھیں بند کریں تو دکھائی دیتا ہے۔ اس ملک میں رہتے ہوئے مجھے دس سال گزر گئے تو پھر پہلی دفعہ میں نے یہاں کے موسموں پر نظر ڈالی۔ اپنے وطن کے موسم تو شروع سے آدمی کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ آنکھیں کھول کر دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ غیر وطن میں اگر سالہا سال گزر

جاتے ہیں اور زندگی سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ آدمی دنیا پر نظر ڈالے۔ دس سال اندھیرے میں گزر گئے اس کے بعد پہلی بار بے خطری سے باہر نکل کر میں نے اس ملک کے موسموں کو دیکھا۔ ہم لوگوں کی ایک کھیپ کی کھیپ ہے جس کے اندر ان اندھیروں کے نشان موجود ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں آخر زمینوں پر خشک سالی بھی تو آتی ہے۔ زندگی نہ رکتی ہے نہ پیچھے کو جاتی ہے، آگے ہی آگے چلتی ہے۔ اس ملک کی بہار میں اتنے رنگوں کے پھول اور پتے ایک ساتھ کھلتے ہیں کہ دیکھ دیکھ کر نظر دنگ رہ جاتی ہے۔ رستے میں ایک جگہ پر کار کو روک کر میں کافی دیر تک ایک کھیت کا نظارہ کرتا رہا۔ اس کھیت میں صرف گھاس اگی تھی یا کوئی چارہ لگا تھا مگر اس سبزے کا رنگ ایسا تھا کہ میری نظر اس سے الگ نہ ہوتی تھی۔ اس دن کی دھوپ انوکھی تھی یا وہ بہار کا موسم انوکھا تھا، یا یہ کہ وہ سبزہ ہی نیا تھا، مگر ایسا سبزہ میں نے نہ نباتات کی اور نہ حیوانات کی دنیا میں کبھی دیکھا ہے۔ اڑتے ہوئے پرندوں اور حشرات الارض اور پانی کے اندر رنگ برنگی مچھلیوں کا نظارہ میں نے کیا ہے، مگر ایسا دلکش ہوا سبز رنگ کہیں پر نہیں دیکھا جس کے اندر سے روشنی نکلتی ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان پتوں کے اندر دوڑتی ہوئی زندہ جان ہے اور یہ رنگ اس جان کا رنگ ہے، اور اگر پیر کے نیچے لے کر ان پتوں کو مسل دیا جائے اور ان کی جان نکل جائے تو پیچھے سفید رنگ کے تنکے رہ جائیں گے۔ جب لمبے اندھیرے سے نکل کر آدمی کو آزادی ملتی ہے تو پھر دل میں ایک حرص پیدا ہوتی ہے۔ چمکیلے رنگوں کی، ملائم جلد والی چیزوں کی حرص، ریشمی کپڑے کی، سونے کی زیور کی، روغنی مسالے اور دھات کے بنے ہوئے مشینی آلوں کی حرص۔ یہ بے وطنی کے نشان ہیں۔ مگر کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کو ہلکی نگاہ سے دیکھے۔ یہ زندگی کی حرص ہی آدمی

کو تازہ رکھتی ہے۔ اس روز دھوپ میں اس گھاس کے کھیت کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خیالات پیدا ہوئے۔

مارکیٹ میں پہنچ کر میں مختلف اسٹالوں پر پھرتا رہا۔ یہ اسٹال لوگوں نے فٹ پاتھ پر تختے ڈال کر لگا رکھے تھے اور ایک میل کے فاصلے پر پھیلے ہوئے تھے۔ کئی ایک کے پاس ریڑھیاں تھیں۔ ہر کوئی چیخ چلا رہا تھا۔ بالکل ہمارے بازاروں کا سا منظر تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ فٹ پاتھ پر چلنے پھرنے کی جگہ تنگ ہو گئی تھی۔ اس لیے دھکے پڑ رہے تھے۔ عقب سے مجھے ایک ہلکا سا دھکا لگا تو میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا ایک بوڑھی عورت نے مسکرا کر کہا، "سوری" میں بھی مسکرا پڑا۔ جب آگے بڑھنے کے لیے مڑا تو میرے سامنے میری کھڑی تھی۔ ہمیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں کچھ وقت لگا۔ ایک زمانہ گزر چکا تھا۔ کئی سیکنڈ تک ہم کھڑے ایک دوسرے کے منہ کو دیکھتے رہے۔ جب میں نے اچھی طرح سے اُسے پہچان لیا تو میں نے پکار کر کہا، "میری!" میری خواہ کیسی بھی عورت تھی مگر ایک بات کی میں تعریف کروں گا، وہ میرے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئی۔ ہم ہجوم سے نکل کر کھڑے ہو گئے۔ میری کے ساتھ چار بچے تھے۔ ایک صرف چند مہینے کا تھا جس کو میری نے بچہ گاڑی میں لٹایا ہوا تھا اور خود گاڑی کو دھکیل رہی تھی۔ ایک تین سال کا میری کی ٹانگوں کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔ ایک چھ سات برس کا تھا۔ سب سے بڑا مائیکل تھا جس کو میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ بڑا خوب صورت لڑکا نکلا تھا۔ میرے حساب سے تیرہ برس کا ہو گا، مگر پندرہ سولہ کا دکھائی دیتا تھا۔ اس کے بال کالے گھنگھریالے تھے مگر رنگ کافی گورا تھا اور اس کا قد کاٹھ کالوں کی طرح لمبا چوڑا اور مضبوط تھا۔ میں نے ہیلو کر کے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ وہ اس وقت ایک سال کا بھی نہ تھا جب میں

نے آخری بار اس کو دیکھا تھا۔ اس نے مجھے ہیلو کیا اور میری بات سن کر مسکراتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں میری کی جھلک تھی۔ چھ سات برس والا بچہ بھی اسی طرح ملی جلی نسل کا معلوم ہوتا تھا۔ چھوٹے دو بچے کی شکل ایک دوسرے سے ملتی تھی اور کسی گورے کے دکھائی دیتے تھے۔ میری نے بتایا کہ وہ وہاں سے بالکل قریب ہی رہتی ہے۔ وہ مارکیٹ میں پھول کے کچھ گملے خریدنے کے لیے آئی تھی جو اس نے سستے داموں خرید لیے تھے۔ پھر اس نے جھجکتے ہوئے مجھ سے کہا کہ اگر میں تھوڑی دیر کے لیے اس کے گھر چلنا پسند کروں تو وہ ایک چائے کی پیالی مجھے پیش کرسکتی ہے۔ میں چند لمحے تک میری کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔ وقت گزرنے پر بڑے سے بڑا صدمہ بھی اپنا اثر زائل کر دیتا ہے۔ اس وقت میری کے لیے میرے دل میں کوئی بغض نہ تھا۔ میں نے شکریہ کہہ کر اس کی دعوت قبول کرلی۔

میری کا گھر کونسل کی طرف سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا فلیٹ تھا جس میں دو کمرے تھے۔ گھر میں صرف ضرورت کی چیزیں موجود تھیں۔ بستر میزیں اور کرسیاں۔ دیوار وں کے اندر الماریوں کے خانے بنے ہوئے تھے جن میں دو چار چیزیں رکھی تھیں۔ فرش ننگے تھے۔ چند کھلونے ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ تین سال کے بچے نے جس کا نام ڈیوڈ تھا، گھر میں داخل ہوتے ہی فرش سے ایک بڑا سا پلاسٹک کا پیلا ہاتھی اٹھالیا۔ میری نے مائیکل کو چھوٹے بچے پر نگاہ رکھنے کی ہدایت کی اور مجھے ساتھ لے کر کچن میں چلی آئی۔ چھوٹے سے کچن کے کونے میں میز اور دو کرسیاں پڑی تھیں۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میری چولھے کے آگے کھڑی ہو کر چائے بنانے لگی۔ کچن میں ہر طرف گندے برتن پھیلے ہوئے تھے۔ مجھے وہ وقت یاد آیا جب میری ایک لمحے کے لیے

بھی برتن گندے نہ چھوڑا کرتی تھی اور اس کے کمرے میں ہر چیز صاف ستھری اپنی جگہ پر رکھی ہوتی تھی۔ میری اب وہ میری نہ رہی تھی۔ ان بارہ تیرہ سالوں نے میری کا حلیہ بدل کے رکھ دیا تھا۔ اس کی عمر اب چالیس سال کے لگ بھگ ہو گی۔ اس کا چہرہ ڈھل گیا تھا اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے مستقل نشان بن گئے تھے۔ ایک آنکھ کے قریب بڑا سا نیل پڑا ہوا تھا۔ جیسے ضرب کا نشان ہو۔ وہ باتیں کرتی ہوئی بار بار ہاتھ سے اس نشان کو چھوتی تھی۔ اس کے بدن پر گوشت نہ چڑھا تھا مگر ڈھیلے آٹے کی طرح ہر طرف سے گرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اب وہ پانو گھسیٹ گھسیٹ کر چلنے لگی تھی، جیسے تھکاوٹ سے چور ہو۔ میرا جی کر رہا تھا کہ اس سے اس وقت کی باتیں کروں جب وہ جوان تھی اور اس کے چہرے پر تازگی اور چال میں لچک ہوا کرتی تھی۔ مگر وہ چائے بناتی ہوئی اپنی باتیں کر رہی تھی۔ ایک بات میری کی اسی طرح قائم تھی، اس کی خوش مزاجی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اب ایک آئرش آدمی کے ساتھ رہ رہی ہے جو مکانوں کی تعمیر پر مزدوری کا کام کرتا ہے۔ اس آدمی کے اپنے بیوی بچے آئرلینڈ میں موجود ہیں۔ بہت محنتی آدمی ہے اور خوب کمائی کرتا ہے مگر اس میں ایک نقص ہے۔ شراب بہت پیتا ہے اور جب مست ہو جاتا ہے تو مرنے مارنے پر اتر آتا ہے۔ کہنے لگی:

"اس وقت وہ پب میں گیا ہوا ہے تو میں نے تمہیں گھر میں لانے کی جرأت کر لی ہے۔ اگر وہ گھر میں موجود ہوتا تو تم یہاں نہیں آ سکتے تھے۔ حاسد طبیعت کا ہے۔" پھر میری طرف دیکھ کر ہنس پڑی، بولی، "فکر کی کوئی بات نہیں۔ ایک گھنٹے سے پہلے گھر نہیں آئے گا۔ میں اسے جانتی ہوں۔ جب تک پب کا دروازہ بند نہ ہو جائے

وہاں سے نہیں نکلتا۔"

میری نے دو چائے کی پیالیاں بنا کر میز پر لا رکھیں اور میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ چینی ڈالتے وقت پوچھنے لگی۔

"تم اب بھی اتنی ہی چینی ڈالتے ہو جتنی پہلے ڈالا کرتے تھے۔"

میں حیران رہ گیا۔ "تمھیں اب تک یاد ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میری یادداشت شروع سے اچھی ہے۔" وہ ہنس کر بولی، "چلو میں نے اپنی بہت بات کر لی ہیں۔ اب تم سناؤ۔ آج کل کیا کر رہے ہو؟"

میں نے میری سے پچھلے بارہ تیرہ سالوں کی روداد مختصراً بیان کر دی وہ یہ سن کر بہت خوش ہوئی کہ اب مجھ کو قانونی آزادی حاصل ہو گئی تھی۔ ہنس کر کہنے لگی:

"تمھاری زندگی بھی میری طرح جگہ جگہ پر دھکے کھاتے گزری ہے اب شکر ہے کہ تمھیں آرام نصیب ہوا ہے۔"

میری کی شکل دیکھ کر میرا دل نرم پڑ گیا۔ میں نے کہا، "میری! برمنگھم میں ہم نے کیسا اچھا وقت گزارا تھا۔"

"ہاں!" وہ بولی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"میری" میں نے کہا، "خدا تمھاری تکلیفیں بھی دور کرے۔ یہ میری دعا ہے۔" یہ سن کر وہ پھر ہنسنے لگی۔ بولی، "میری زندگی اچھی بری گزر جائے گی۔ مجھے اس کی کوئی فکر نہیں۔"

"فکر کیوں نہیں۔" میں نے کہا، "آرام کی فکر سب کو ہوتی ہے۔ میری دعا یہی ہے کہ تمھیں آرام نصیب ہو۔"

"تمھارا بہت بہت شکریہ۔" میری نے کہا۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔ کافی دیر تک سوچتی رہی، پھر بولی، "میں تمھیں ایک بات بتاؤں۔

شاید تمہیں اس بات کا علم نہ ہو۔ میرا ایک بھائی ہے جو عمر میں مجھ سے ایک سال بڑا ہے۔ جب ہم چھوٹے چھوٹے بچے تھے تو ایک ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ کبھی ہمارے گھر میں کوئی مہمان آتا تھا تو میرا باپ میرے بھائی سے کہتا تھا، ان کو فٹ بال کی کک لگا کر دکھاؤ۔ میرا بھائی فٹ بال کو کک لگاتا تھا۔ فٹ بال سڑک کے پار جا گرتا تھا۔ اس پر مہمان میرے بھائی کی پیٹھ ٹھونکتا تھا اور شاباش دیتا تھا۔ جب میری باری آتی تھی تو میری ماں مجھے خوب صورت لباس پہنا کر اس کے سامنے لے جاتی تھی اور کہتی تھی، دیکھو یہ میری بیٹی ہے۔ کیسی خوب صورت لگ رہی ہے! وہ مہمان مجھے دیکھ کر میری خوب صورتی کی تعریف کرتا تھا۔ مجھے اپنے پاس بلا کر گود میں بٹھاتا تھا اور پیار کر کے خوش ہوتا تھا۔ بات کرتے کرتے میری رک گئی اور آنکھیں کھول کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی، "تو یہ بات ہے بھائی۔ ہم لوگ اسی طرح پل کر بڑی ہوئی ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ مجھے کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا کام لوگوں کو خوش کرنا ہے ہمارے اندر ایک خاص چالاکی نشو و نما پا جاتی ہے۔ مجھے کبھی کل کی فکر نہیں ہوئی۔ میرے دل میں تسلی رہتی ہے کہ میں جہاں بھی جاؤں گی، میرا وقت گزر جائے گا۔ ہاں، مگر تمہیں ایک بات بالکل صحیح کی ہے۔ برمنگھم میں ہم نے بڑا اچھا وقت گزارا تھا۔ وہاں پر میں بہت خوش تھی مجھے یاد ہے ایسا خوشی کا وقت میں نے عمر بھر کہیں نہیں گزارا۔ تم سب بے وطن لوگ تھے۔ میں بھی تمہارے جیسی ہی تھی۔ میں تم لوگوں میں گھل مل گئی تھی۔"

میری کا بیٹا ڈیوڈ روتا ہوا کچن میں داخل ہوا۔ اس کا اپنے بڑے بھائی سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ میری نے اسے گود میں لے کر پچکارا اور پھر مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ میری سے باتیں کرتے کرتے

ثاقب کی یاد آنے لگی۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے ثاقب کا ذکر کر دیا۔ میں نے بتایا کہ ثاقب کہاں پہ ہے اور کیسے میں کبھی کبھار اس سے ملنے کے لیے جایا کرتا ہوں۔ ثاقب کی بات سن کر میری کچھ دیر کے لیے بالکل خاموش ہو گئی۔ خالی پیالی میں دیگچہ چلاتی رہی پیالی کے اندر دیکھتی اور کچھ سوچتی رہی۔ پھر سر اٹھا کر بولی۔

"ثاقب نے بہت بے وقوفی کی تھی۔ ایسا کرنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دونوں آپس میں ہی ایک دوسرے کا کام تمام کر دیتے۔"

مجھے اس کی بات سمجھ میں نہ آئی۔ میں نے دہرا کر پوچھا تو بولی، "تمہیں علم نہیں کہ کیا واقعہ ہوا تھا؟"

میں نے سر ہلا کر کہا نہیں، تو بولی، "عجیب بات ہے۔ میرا آج تک یہی خیال تھا کہ تم نے سارا واقعہ دیکھا تھا۔"

"کیا واقعہ ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

میری ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر مجھے دیکھتی رہی، جیسے یاد کر رہی ہو، یا بیان کرنے کی کوشش میں ہو۔

"پیسوں کے اوپر ان دونوں کا جھگڑا چل رہا تھا۔" وہ بولی۔ "ارشاد نے ناغے کرنے شروع کر دیے تھے۔ آخر اس دن ارشاد نے میز سے چھری اٹھا کر حسین شاہ کے پیٹ میں گھونپ دی۔ حسین شاہ نے وہی چھری اس کے ہاتھ سے چھین کر ارشاد پر وار کر دیا۔ دونوں کو وار کاری آیا تھا، تڑپ تڑپ کر جان دینے لگے۔ جب ثاقب نے چھری زمین سے اٹھائی تو میں نے اس کی منت کی، اس کے آگے ہاتھ جوڑے، کہا کہ چھری پھینک دو اور کمرے سے نکل جاؤ۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ مگر اس کے دماغ میں خدا جانے کیسا فتور پیدا ہو گیا تھا۔ ان دونوں کے اوپر حملہ آور ہو گیا۔ میری طرف دیکھتا جاتا تھا اور ان دونوں پر وار کرتا جاتا تھا، جیسے کوئی

کرتب دکھا رہا ہو۔ کیسا احمق نکلا، اب سزا بھگت رہا ہے۔"

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ میں دیر تک سن کر بیٹھا رہا۔ آخر ثاقب نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کیا دکھانا چاہتا تھا؟

"تم نے پولیس کو یہ بات بتائی؟" میں نے میری سے پوچھا۔

"میں نے اپنی گواہی میں ساری بات کھول کر بیان کر دی تھی۔" میری نے کہا۔ "مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

میرا دل بہت برا ہو گیا تھا۔ میری کے اوپر میں سارا الزام نہیں دیتا، مگر اس وقت میرا دل کر رہا تھا کہ میں اس کے ساتھ باتیں ختم کر دوں اور وہاں سے اٹھ کر نکل جاؤں۔ قدرت نے میری مدد کی۔ میری کا چھوٹا بچہ دوسرے کمرے میں رونے لگا۔ میری نے اس کے لیے بوتل میں دودھ تیار کرنا شروع کیا تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔

میری کے طریقے میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ اس نے اُسی طرح خوش دلی سے ہنستے ہوئے مجھے گڈ بائی کہا، اور جب تک میں گلی پار کر کے مڑ نہ گیا دروازے پر کھڑی رہی اور ہاتھ ہلاتی رہی۔ اس کے اندر ابھی بڑا دم تھا۔ میں راستہ بھر ثاقب کے بارے میں سوچتا رہا۔ کئی روز تک یہ بات میرے دل میں پھنسی رہی اور مجھے بیتاب کرتی رہی۔ آخر آہستہ آہستہ اس کا اثر کم ہوتا گیا۔

ابھی چند روز ہوئے میں ثاقب سے مل کر آیا ہوں۔ یہ ملاقات ہماری آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ مجھے کچھ ایسا خیال تھا کہ پچھلی بار وہاں کسی نے ثاقب کی واپسی کا ذکر کیا تھا۔ مگر جب میں اس سے ملنے کے لیے گیا تو یہ بات بھول چکا تھا۔ وہاں پہنچ کر مجھے پتا چلا کہ ثاقب کی واپسی میں چند ہی روز رہ گئے ہیں۔ ملاقات سے پہلے جیل کا ایک افسر مجھے اپنے دفتر میں لے گیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ ثاقب کی واپسی کا وقت آ گیا ہے۔ ثاقب کو عدالت کی جانب سے جو سزا ملی تھی اس میں لکھا تھا کہ اسے کم از کم دس سال تک—

اس جگہ پر بند رکھا جائے، اس کا علاج کیا جائے، اور عرصہ ختم ہونے کے بعد اسے ملک بدر کر دیا جائے۔ جیل کے افسر نے مجھے بتایا کہ دس سال سے اوپر مدت گزر چکی ہے، اور اگر ثاقب کی دماغی حالت میں مزید کچھ ترقی کا امکان ہوتا تو اس کا قیام بڑھایا جا سکتا تھا۔ مگر ڈاکٹروں نے لکھ دیا ہے کہ اس امر کا کوئی امکان نہیں، اس لیے حکومت کی جانب سے احکام وصول ہوئے ہیں کہ اس کی واپسی کا بندوبست کر دیا جائے۔ جیل کے افسر نے مجھے تسلی دی کہ ثاقب کی واپسی کے سفر کے اخراجات تمام تر حکومت برداشت کرے گی، اور جیل کی کارپنٹری میں کام کرنے پر جو تھوڑی بہت رقم اس کو ہفتہ وار ملتی رہی ہے اس کے نام پر جمع ہے، وہ رقم بمع سود ثاقب کے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ مزید برآں حکام کی طرف سے خط و کتابت کے ذریعے پیچھے ملک میں ثاقب کے وارثین کا پتا نکالا گیا ہے۔ ثاقب کی ماں فوت ہو چکی ہے، مگر اس کے ایک چچا نے ثاقب کو وصول کرنے کی حامی بھر لی ہے۔ اس چچا کو ثاقب کا گارڈین تسلیم کر لیا گیا ہے اور اس کو رقم کا پورا حساب لکھ دیا گیا ہے۔ جیل کے افسر نے مجھے پوری تسلی دلائی کہ ثاقب کی بہتری کے لیے حکومت سب کچھ کر رہی ہے۔ مگر میرا دل یہ سن کر سخت رنجیدہ ہوا۔

جب میں ثاقب سے ملا تو وہ خوش بخوش تھا۔

"میں گھر جا رہا ہوں۔" وہ بولا۔ اس کی جیب میں کچھ نقدی تھی۔ وہ بار بار جیب میں ہاتھ ڈال کر نقدی نکالتا اور اسے دیکھتا تھا۔

"آج تم نے نیا سوٹ پہنا ہوا ہے۔" میں نے بات کرنے کی غرض سے کہا۔

"ہاں۔" ثاقب بولا۔ "دو سوٹ ملے ہیں۔ اور بوٹ جرابیں۔" وہ دیر تک اسی طرح خوشی خوشی گھر جانے کی باتیں کرتا رہا۔ اسے دیکھ کر میرے دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ مجھ سے زیادہ دیر تک وہاں رکا نہ گیا۔ میں جلد ہی

شاقب کو آخری بار الوداع کہہ کر اور اس سے گلے مل کر وہاں سے چلا آیا۔

میں اسی رنجیدہ حالت میں گھر پہنچا تھا کہ یہ حادثہ ہوا جس کے نتیجے کے طور پر میں اس وقت ہسپتال میں پڑا ہوا ہوں۔ اس کو حادثے کا نام ہی دینا چاہیے، کیونکہ یہ معمول کی بات نہیں۔ ہوا یہ کہ میں تھکا ہارا گھر میں داخل ہوا تھا۔ بیوی نے اپنے جھگڑے شروع کر دیے۔ میرے دل میں شاقب کا رنج بیٹھا ہوا تھا۔ بیوی نے چلا کر کوئی بات کی تو میرا ہاتھ اس پر اُٹھ گیا۔ میں نے اسے ایک تھپڑ مار دیا۔ بس اتنی بات تھی۔ کئی بار ایسا موقع آیا ہے بات خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ مگر اُس روز میری بیوی کے دماغ میں پتا نہیں کیا فتور اٹھا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ شیشے کا جگ اٹھا کر میرے اوپر پھینک دیا۔ میں ہکا بکا اُسے دیکھتا رہ گیا۔ مجھے اتنی ہوش بھی نہ رہی کہ اپنے سر سے بہتے ہوئے خون کو بند کروں۔ پھر میری بیوی چیخیں مار مار کر رونے لگی۔

وہ دن اور آج کا دن، میں یہاں پڑا ہوا ہوں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میری کھوپڑی پر ایک جگہ باریک سا کریک آ گیا ہے۔ اسے جڑنے میں کئی دن لگیں گے۔ ایکس رے کی تصویریں لیتے رہتے ہیں۔ میرا چھوٹا بیٹا مجھ سے مذاق کرتا ہے، کہتا ہے ڈیڈی تم کریک ہو گئے ہو۔ میرے سر کو انھوں نے پلستر میں جکڑا ہوا ہے۔ کبھی کبھی تشنج نہیں ہوتی۔ اور تو اور، پولیس تک آئی۔ میں نے ہزار کہا کہ بھئی میاں بیوی کا معاملہ ہے، کوئی بات کی بات نہیں۔ مگر وہ اپنا کام مکمل کر کے گئے۔ اب میری بیوی ہر روز میرے پاس آ کر بیٹھی رہتی ہے۔ رو رو کر تاسف کرتی ہے میں اسے تسلی دیتا رہتا ہوں، کہتا ہوں تیرا قصور نہیں، یہ تو ایک حادثہ ہے، ہونا تھا ہو گیا۔ تیرا اس میں کیا قصور ہے مگر وہ روتی رہتی ہے۔ مجھے اپنی بیوی سے کوئی گلہ نہیں۔ بڑی خدمتی ہے۔ مگر پتا نہیں اس کو کس بات کا غم کھائے

جاتا ہے۔ جب سے آئی ہے اس کو خوشی نصیب نہیں ہوئی۔ ہر طرح کا آرام ہے۔ اپنا گھر ہے، کار موجود ہے، ٹیلی ویژن لے کر دیا ہوا ہے، اسے دیکھتی رہتی ہے۔ ہر چیز وافر موجود ہے، فراغت کی زندگی ہے۔ بچے اسکول جاتے ہیں، مگر اس کے چہرے پر میں نے خوشی کی لہر نہیں دیکھی۔ میں پوچھتا ہوں کیا تیرا دل نہیں لگتا۔ کہتی ہے میرے دل کا کیا ہے، جدھر آپ کا دل اُدھر میرا دل۔ مجھے سمجھ نہیں آتی پھر اسے غم کس بات کا ہے۔ کبھی کبھی مجھے میری کی بات یاد آتی ہے۔ میں سوچتا ہوں میری ٹھیک ہی کہتی ہوگی، شاید عورتیں بھی بے وطن ہوتی ہیں۔ مجھے اپنی ماں اور بہن کا چہرہ یاد آتا ہے۔

میں کہتا ہوں عورتیں ہوں یا مرد، سب اس دنیا میں قدم جمانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم نے یہاں پر ایک پودا لگایا ہے۔ ہم چھوٹے چھوٹے لوگ ہیں، مگر جنگ ہو یا جلوس نکلے، اس میں کام ہم لوگ ہی آتے ہیں۔ زندگی آگے ہی آگے چلتی جاتی ہے۔ کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خواب کی حالت ہو، جیسے وقت گزر نہیں رہا بلکہ رُک گیا ہے، اور زمین میں کسی کالے سوراخ کے اندر غائب ہوتا جا رہا ہے۔ خدا جانے یہ کیسی کیفیت ہے۔ اب تو دل میں ایک ہی خواہش ہے، کہ جلدی سے جلدی ہسپتال سے نکلوں اور اپنے گھر پہنچوں، دل کو کچھ چین آئے۔ باقی تو سب آرام ہے۔